ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ

تفسیر اُلوہی

جلد اوّل

امام المتکلمین والمحققین
حضرت العلامہ الحافظ محمد ایوب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ رازی
۱۵۱۔ شہاب مینشن محمد بن قاسم روڈ کراچی

منزل تک نہیں پہنچ سکتا، کیونکہ فرمایا ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ (جس نے غیر اسلام کو دین بنانا چاہا وہ نامقبول ہے) اور وہ ہرگز منزل اور مراد کو نہیں پہنچے گا۔ اور غیر مستقیم پر چلنے سے کچھ دیر بعد سہی، پہنچ ضرور جائے گا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام صراطِ مستقیم نہیں ہے اور تم یہ کہتے ہو کہ یہ صراطِ مستقیم کی ہدایت کی طلب کر رہا ہے، یعنی غیرِ اسلام کی طلب کر رہا ہے، اور یہ کفر ہے۔ چہ جائیکہ اس کی طلب ہدایت ہو۔

پانچواں جواب مفسروں نے یہ دیا ہے کہ طریقے بہت ہیں کچھ جنت کی طرف لے جانے والے کچھ جہنم کی طرف۔ تو یہاں یہ مراد ہے کہ جنت کے رستے کی ہدایت کر۔ میں کہتا ہوں پہلے جو ایمان لے آیا اور پھر عبادت کی اور قرارت کی تو اگر یہ جنت کا طریقہ ہے تو پھر مزید جنت کے طریقہ کی طلب عبث ہے۔ اگر نہیں ہے تو پہلا ایمان اور عبادت سب رائیگاں ہے

چھٹا جواب ان مفسروں نے یہ دیا ہے کہ "صراطِ مستقیم" سے مراد قرآن اور اسلام ہے تو بندہ قرآن اور اسلام کی ہدایت طلب کر رہا ہے۔ یہ بھی غلط ہے۔ اس لئے کہ اِھْدِ سے پہلے۔ یعنی اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ سے پہلے سب قرآن ہے اور سب اسلام ہے اور نیز صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ صراطِ مستقیم سے بدل ہے۔ تو گویا بندہ انعام یافتہ لوگوں کا رستہ طلب کر رہا ہے۔ اور اگلے انعام یافتہ لوگوں کو نہ قرآن ملا نہ اسلام۔ لہٰذا طلبِ اسلام و قرآن بھی صحیح نہیں ہے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ جس طرح تو نے پہلی بار ہدایت کی اور ہم ایمان لے آئے اور ہم عبادت کرنے لگے۔ تو اب تو اس ہدایت کو دائم اور ثابت

رکھیو آخر وقت تک رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا (اے ہمارے رب ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کیجیو ہدایت کرنے کے بعد) بالکل یہی بات اِهْدِنَا میں ہے کہ پہلے تو نے ہدایت کر کے مومن بنایا اور عابد بنایا، اب اس ہدایت کو سلب نہ کیجیو۔ بلکہ ثابت رکھیو میں کہتا ہوں کہ ہو سکتا ہے کہ معنی ہدایت کی طلب کے یہ ہوں کہ قول سے اور دلیل سے تو تو نے ہدایت کر ہی دی۔ اب ہماری تمنا یہ ہے کہ مکاشفہ اور مشاہدہ سے ہدایت کر۔ اور نعمت یافتہ حضرات وہی ہیں جنہیں مکاشفہ سے ہدایت ہوئی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اب یہاں ایک دشوار اشکال ہے اور وہ یہ ہے کہ سارا عالم صلحاء اور فساق سب کے سب یہ دعا مانگ رہے ہیں۔ لیکن یہ دعا قبول ہوئی یا نہیں۔ اگر قبول ہوگئی تو پھر بہ کثیر تعداد بدعقیدہ لوگوں کی اور بداعمال لوگوں کی کیسی ہے۔ اور اگر قبول نہیں ہوئی تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ تمام عالم دعا مانگے اور قبول نہ ہو! میں کہتا ہوں اس کا حل یہ ہے کہ دعا کے قبول ہونے میں مشیت شرط ہے۔ جیسا کہ فرمایا فیکشف ما تدعون الیہ ان شآء (اگر وہ چاہے گا تو تمہاری دعا قبول کرلے گا) سو اس نے اولیاء اور انبیاء کے حق میں چاہا، اور ان کی دعا قبول کرلی اور ان تمام حضرات پر مکاشفات کا دروازہ کھول دیا۔ اور فسّاق و فجّار کے حق میں دعا قبول نہیں کی۔ اس لئے ان کے لئے مکاشفہ کا دروازہ نہیں کھولا۔

اس مقام پر میرے نزدیک زیادہ سے زیادہ تحقیق یہی ہے صراطِ مستقیم سے مراد سیدھا رستہ ہے۔ اور یہ سیدھا رستہ مادی

Marfat.com

اور مکانی نہیں ہے۔ کیونکہ مکانی منزل پر غیر مستقیم رستہ سے بھی پہنچ سکتا ہے۔ اور بعض اوقات قطع مسافت مستقیم رستہ سے محال ہوتی ہے اور دشوار ہوتی ہے۔ جیسے کنوئیں کے دائرہ پر مستقیم رستہ یعنی قطر کا عبور محال اور دشوار ہے اور غیر مستقیم یعنی دائرہ کے خط پر سے عبور آسان ہے۔ لہٰذا جسمانی حظ مراد نہیں ہو سکتا۔

میں کہتا ہوں کہ حکایت جب ذہن میں آتی ہے تو ذہن کبھی اس کے صدق و کذب کی طرف یعنی دونوں طرف ملتفت ہوتا ہے اور اس دو طرفہ التفات کی کئی سڑکیں اور کئی طریقے ہوتے ہیں۔ اور کبھی صرف یک طرفہ التفات ہوتا ہے۔ اور یہ یک طرفہ التفات اگر واقع کے خلاف ہے تو درحقیقت یہ التفات ہی نہیں بلکہ بے التفاتی ہے۔ اسی کا نام ضلالت ہے اور دو طرفہ التفات باعثِ غضب ہے اور یک طرفہ التفات جو واقع کے مطابق ہے۔ یہ نقطہ نظر عقل اور مطلوب نتیجہ کے درمیان خطِ مستقیم ہے تو میرے نزدیک صراطِ مستقیم کے معنی یہ ہیں کہ اے اللہ پاک تو یکطرفہ التفات واقع کے مطابق عنایت کر۔ اور یہ دعا سب کی قبول بھی ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَارَيْبَ فِيْهِ هُدًى یہی وہ التفات ہے جس میں شک نہیں ہے۔ یعنی دو رخی اور دو طرفی نہیں ہے۔ کیونکہ عموماً دو طرفہ التفات ہی کو شک کہا جاتا ہے، اس لئے فرمایا کہ اس میں دو طرفہ التفات نہیں ہے اور یہ واقع کے مطابق بھی ہے، کیونکہ اس میں ہدایت ہے۔ اور واقع کے خلاف میں ہدایت نہیں بلکہ ضلالت ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ صراطِ مستقیم یک طرفہ التفات واقع کے مطابق

Marfat.com

کا نام ہے۔ اور وہ قرآن ہے کہ اس میں کوئی مقدمہ ایسا نہیں ہے جس میں دو طرفہ التفات ہو سکے! ور نیز کوئی مقدمہ واقع کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ سب حسی مقدمات ہیں۔ اور بعض ایسے بھی ہیں جو قطعی حسی کو لازم ہیں اور حسی مقدمات ہی واقع کے مطابق اور یک طرفہ ہوا کرتے ہیں۔ اور وہ یکطرفہ التفات جو واقع کے خلاف ہے وہ فلاسفہ کے مقدمات ہیں جو بظاہر یکطرفہ ہیں لیکن واقع کے خلاف ہیں۔ اس لئے وہ سراسر ضلالت ہی ضلالت ہیں۔ اور دو طرفہ التفات باقی تمام مذاہب باطلہ کے مقدمات ہیں کہ ان کا دارومدار شک اور ظن اور وہم پر ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر ہم بالتفصیل بیان کر چکے ہیں صرف قرآن ہی کے مقدمات یک طرفی ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ سب کے سب حسی ہیں۔ اور اس نکتہ کو یاد رکھو کہ حسی اور بدیہی مقدمات اس قابل ہوتے ہیں کہ ان کی طرف یکطرفہ التفات ہوا کرتا ہے، اور وہی واقع کے مطابق ہوتے ہیں۔

اور غیر حسی مقدمات جب تک ان کا انجام حس پر نہ ہو تو وہ نہ یکطرفی ہوتے ہیں نہ واقع کے مطابق ہوتے ہیں۔ لہٰذا صراطِ مستقیم سے مراد قرآن اور مغضوب علیہم سے مراد تمام مذاہبِ باطلہ سوائے فلسفی کے، اور ضالین سے مراد فلسفی۔ کیونکہ فلسفی دلیل دلیل اور برہان برہان بکتا رہتا ہے۔ لیکن وہ واقع کے مطابق نہیں ہوتی۔ اور بظاہر دلیل و برہان سے یکطرفہ التفات تو ہوتا ہے لیکن واقع کے مطابق نہیں ہوتا۔ اس لئے واقع کے مطابق نہ ہونا ہی ضلالت ہے۔ اس لئے یہی ضالین ہے۔ نعوذ باللہ منہم۔

اور مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ دو طرف التفات والوں کو اس لئے کہا کہ انہوں نے پکی سڑک چھوڑ کر پکی کے دو طرفہ ناہموار سڑکوں پر چلنا شروع کیا

اس ناہمواری کے باعث اُنہیں دُکھ تکلیف پہنچی، بس یہی دُکھ اُن پر غضب ہے۔ اور یہ یہود و نصاریٰ، مجوس اور مشرکین وغیرہ ہیں کہ سب کے سب اوہام اور ظنون پر اور شک پر عمل پیرا ہیں۔ اور فلسفی اگرچہ بظاہر قطعی اور یک طرف بات کی طرف جاتا ہے۔ لیکن واقع کے خلاف چونکہ ہوتی ہے اس لئے ضلالت ہے۔ اور ضَآلِّیْنَ کہلایا گیا۔

اور بھید اس میں یہ ہے کہ فلسفی منزلِ مقصود کی طرف پیٹھ کر کے پھر سیدھا جاتا ہے۔ اور یک طرفہ رُخ خلاف منزل کی طرف کرتا ہے۔ یکطرفہ التفات ضرور ہوتا ہے مگر خلاف جہتِ منزل۔

اور ہم نے اچھی طرح ثابت کر دیا ہے کہ فلسفی نے جو بات بھی کہی ہے منزل سے منہ پھیر کر کہی ہے۔ غور کر رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

تفسیر

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

(اُن لوگوں کا رستہ جن پر تو نے انعام کیا ہے)

یہ سیدھے رستے سے بدل ہے اور بدل مبدل منہ میں بدل مقصود ہوتا ہے۔ یعنی ہم کو نعمت یافتہ حضرات کا رستہ دکھا۔ یہ معنی مقصود ہیں۔

مفسرین کے نزدیک انعام اور نعمت کے معنی یہ ہیں کہ بغیر معاوضہ کے دوسرے کے ساتھ بھلائی کی جائے۔ میں کہتا ہوں بغیر عوض دوسرے کے ساتھ بھلائی کرنی احسان ہے انعام نہیں ہے، بلکہ انعام کے معنی یہ ہیں کہ کام کی مزدوری سے زیادہ مزدوری دی جائے۔ مثلاً کام کرانے کی مزدوری پانچ روپے تھی، یا طے ہوئی تھی۔ پھر دس روپے دیئے گئے، لہٰذا ان دس میں سے پانچ تو اصل مزدوری ہے اور دیگر پانچ انعام ہیں۔

اور مخلوق کو جو فائدے پہنچ رہے ہیں وہ سب من جانب اللہ ہیں، جیسا کہ فرمایا وما بکم من نعمۃ فمن اللہ (جو نفع فائدہ تم کو پہنچ رہا ہے وہ من جانب اللہ ہے)

نفع کی تین قسمیں ہیں۔ ایک نفع تو وہ ہے جو براہِ راست اللہ ہی سے پہنچ رہا ہے، جیسے پیدائش رزق وغیرہ۔ دوسرا نفع وہ ہے جو ظاہر میں غیر اللہ ہی سے پہنچ رہا ہے۔ یہ بھی درحقیقت اللہ ہی سے پہنچ رہا ہے، کیونکہ نفع کا اور نافع کا اور نافع کے اس جذبہ کا جس کے ماتحت وہ نفع

پہنچا رہا ہے۔ تینوں کا اللہ تعالیٰ ہی خالق ہے۔ تیسرا نفع وہ ہے جو اعمال صالحہ کی بنا پر ہم کو پہنچ رہا ہے یا پہنچے گا۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اگر اعمال صالحہ کرنے کی توفیق نہ دیتا۔ ہم اعمالِ صالحہ نہ کرتے اور اس انعام کے مستحق نہ ہوتے۔

اس بیان سے ظاہر ہو گیا کہ تمام نعمتیں اور فائدے اور نفع سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ بندوں پر اللہ تعالیٰ کی پہلی نعمت اور احسان تو حیات ہے، کیونکہ اگر حیات نہ دیتا تو کسی شے سے فائدہ نہ ہوتا۔

یہاں ایک بحث ہے کہ کافر نعمت یافتہ ہیں یا نہیں؟ اہل سنّت کے نزدیک کافر نعمت یافتہ نہیں ہیں۔ کیونکہ اگر کافر نعمت یافتہ ہوں گے۔ تو اللہ تعالیٰ کے اس قول یعنی اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں داخل ہو جائیں گے اور اس وقت آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم کو کفار کا رستہ دکھا۔

میں کہتا ہوں کہ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں نعمت سے مراد خاص نعمت ہے، اور وہ نبوّت اور ایمان بالنبوّت ہے تو نبوت اور ایمان بالنبوّت کی نعمت کافر کو حاصل نہیں ہے۔ باقی تمام نعمتیں مومن کافر میں مشترک ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ کافر نے ان دینی نعمتوں سے جو ایمان بالنبوّت اور نبوّت کے علاوہ ہیں۔ باوجود حاصل ہونے کے فائدہ نہیں اٹھایا۔ اور صرف دنیاوی نعمتوں سے فائدہ اٹھایا۔

اہل سنت نے کہا ہے کہ انعام یافتہ لوگوں میں سے صدیقین ہیں اور رئیس صدیقین ابوبکرؓ ہیں۔ لہٰذا اس آیت کی رو سے ابوبکرؓ کی اقتدا واجب ہے۔ تو لابد وہ امام برحق ہیں۔ **میں کہتا ہوں** کہ شیعہ ان کو رئیسِ صدیقین نہیں مانتے۔ اور اگر کسی دلیل سے ان کو رئیس صدیقین

مان لیا جائے تو پھر اس آیت سے ان کی ریاست ثابت کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ کیونکہ یہ آیت تو صدیقین انعام یافتہ لوگوں کی اقتدا کو واجب کرتی ہے۔ اور شیعہ ان کو صدیقین اور انعام یافتہ لوگوں میں شامل ہی نہیں سمجھتے۔ اب رہے ہم تو ہم اس آیت سے استدلال کئے بغیر ہی ان کو امامِ برحق مانتے ہیں۔ اس لئے ہمارے لئے بھی اس آیت سے استدلال مفید نہیں ہے۔

مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں نعمت سے مراد نعمتِ ایمان ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہاں نعمت سے مراد نعمتِ نبوّت ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ آیت پڑھا کرتے تھے۔ اب اگر نبی مومنین کے رستے کی طلب کرے گا تو نبی پر مومنین شاہد ہو جائیں گے۔ حالانکہ نبی مومنوں پر شاہد ہے۔ وَيَكُونَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (رسول تم پر شہید ہے) لیکن اگر نعمت سے مراد نعمتِ نبوّت ہوگی تو اس صورت میں نبی انبیاء کے رستہ کا طالب ہوگا۔ اور یہ صحیح ہے کیونکہ فرمایا اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ (یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت کی ہے، سو تو ان کی ہدایت کی پیروی کر)

اور ان مفسروں نے اس بات پر کہ نعمت سے مراد ایمان ہے یہ تفریع کی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس نعمت کا یعنی نعمتِ ایمان کا منعم ہے، تو اس سے ثابت ہو گیا کہ خالقِ ایمان اللہ تعالیٰ ہے۔ اور یہ معتزلہ کے قول کا رد ہے، کیونکہ ان کے نزدیک خالقِ ایمان بندہ ہے۔ اور انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ کوئی مومن دائمی عذاب میں نہیں رہے گا۔ کیونکہ دائمی عذاب والا کیونکر انعام یافتہ ہو سکتا ہے۔

Marfat.com

اور انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بندے کی اصلاح اور بہبود واجب نہیں ہے۔ جیسا کہ معتزل کہتے ہیں کیونکہ واجب کی ادا انعام نہیں کہلاتی۔

جاننا چاہیئے کہ نعمت سے مراد ایمان نہیں ہے تاکہ یہ فروع مرتب ہوں۔ بلکہ نبوّت مراد ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انعام یافتہ لوگوں کی فہرست بتائی ہے مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصَّالِحِيْنَ۔ انعام یافتہ حضرات کی یہ چار قسمیں ہیں۔ اور پچھلے تینوں کا کوئی رستہ ہی نہیں ہے۔ یعنی صدیق، شہید اور صالحین۔ یہ تینوں پہلے کے، یعنی نبی کے رستہ پہ چل کر انعام یافتہ ہوئے ہیں۔ حقیقی انعام یافتہ نبی ہیں۔ اور یہ تینوں طفیلی انعام یافتہ ہیں۔ اور ان کا کوئی صراط، سبیل، طریق رستہ نہیں ہے۔ یہ تو نبی ہی کے رستہ پر چل کر اس نعمت کو پہنچے ہیں۔ تو انعام یافتاؤں کا رستہ درحقیقت انبیاء کا رستہ ہے، تو نعمت درحقیقت صرف نبوّت ہوئی، بس۔

معتزلہ نے کہا ہے کہ نعمت سے مراد ایمان اور نیکی پر بندہ کو قدرت دینا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ نعمت سے مراد نہ تو ایمان ہے جیسا کہ اہل سنّت کہتے ہیں۔ نہ قدرت علی الایمان ہے، جیسا کہ معتزلہ کہتے ہیں۔ تو اس وقت نعمت یافتہ سے مراد قادرِ ایمان یعنے مومن و کافر سب ہو گئے۔ اور مومن کافر دونوں کے رستہ کی ہدایت کی طلب بالکل بے معنی اور بے سُود اور لغو ہے۔

یہ لوگ اتنی بات نہیں سمجھے کہ قدرت اور نتیجۂ قدرت ایمان دونوں انسان کے بس کی چیزیں ہیں۔ اور بس کی چیز نعمت نہیں ہوا کرتی۔ انسان قادر ہے، یہ بدیہی چیز ہے، اور ایمان انسان کے بس میں ہے۔

Marfat.com

مَنْ شَآءَ فلیو مَنْ (جس کا جی چاہے ایمان لے آئے) لہٰذا نعمت وہ چیز ہے جو انسان اپنی قدرتِ اختیار اور مشیّت سے حاصل نہ کرسکے. اور وہ صرف نبوّت ہی ہے. لہٰذا اپنے رب سے ہم دعا کرتے ہیں کہ نبی کے رستے کی ہم کو ہدایت کرے. فرمایا ان ھذا صراطی مستقیمًا فاتبعوہ (یہ ہے میرا سیدھا رستہ اس پر چلو) بس صراط مستقیم صراطِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور صراطِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم صراطِ انبیاء علیہم السلام ہے ؛

Marfat.com

تفسیر
غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّينَ

(انعام یافتہ حضرات کے رستہ پر چلا، نہ ان لوگوں کے رستہ پر کہ جن پر غضب نازل ہوا، اور نہ ان کے رستہ پر جو گمراہ رہے)

مفسرین نے کہا ہے کہ مَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ یہود ہیں اور ضَآلِّينَ نصاریٰ ہیں۔ اور بعض نے کہا ہے مغضوب علیہم فسّاق ہیں اور ضَآلِّينَ کفار ہیں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ مَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ کفار ہیں اور ضَآلِّينَ منافق ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ انعام یافتہ اور نعمت یافتہ کی ضد مَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ اور ضَآلِّينَ ہیں، اور نعمت نبوّت ہے۔ تو جو لوگ نبوت کے خلاف چلے وہی مغضوب اور ضال ہیں، اور نبوت غیر کسبی ہے تو معلوم ہوا کہ مَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ اور ضَآلِّينَ وہ لوگ ہیں جو کسب پر عمل پیرا ہیں۔

اور کسب کی دو قسمیں ہیں۔ کسب بالفعل، جو حسی علم سے حاصل ہو، اور کسب بالقوت جو نظری علم سے حاصل ہو۔ اور حسی علم کا مبدہ

نفس ہے، جو شہوت و غضب کی جامعیت ہے۔ اور نظری علم کا مبدء عقل ہے۔ لہٰذا مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے معاملات کا مدار حسی علم پر رکھا، یعنی نفس کے حکم پر چلے۔ اور غضب نازل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ خوب جانتے تھے کہ وہ حیوانات سے اشرف اور افضل ہیں۔ اس کے باوجود انہوں نے زندگی کی معیار اس علم کو بنایا جو ان میں اور حیوان میں مشترک تھی۔ لہٰذا انہوں نے نعمت انسانیت کو تباہ کر دیا۔ بس اس نعمت کا تباہ کرنا ہی غضبِ الٰہی کا واقع ہونا ہے۔ اور جن لوگوں نے اپنی زندگی کا معیار عقل کو بنایا وہ گمراہ ہوئے اس لئے کہ جس طرح آنکھ کی بصارت اندھیرے میں کافی نہیں ہے، اسی طرح عقل کی بصیرت کافی نہیں ہے یعنی آنکھ بغیر روشنی کے آگے نہیں بڑھ سکتی، اسی طرح عقل بیرونی روشنی کے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتی۔ اور وہ بیرونی روشنی نبوت ہے۔ جس طرح آنکھ کے لئے بیرونی روشنی مثلاً آفتاب ہے۔ اس وجہ سے عقل میں معقولات تک پہنچنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔ اس لئے اہلِ عقل کو ضَالِّيْنَ کہا ہے۔

اب یہ بات سمجھنی چاہیئے کہ معیارِ انسانیت عقل نہیں ہے اور نہ حس ہے۔ اس لئے کہ عقلی علم بالآخر حسی علم پر منطبق ہوتے ہیں۔ لہٰذا عقلی اور حسی علم پر انسان مجبور ہے، مختار نہیں ہے۔ اور انسان مختار ہے۔ لہٰذا مدارِ انسانیت نہ عقل ہے نہ حس۔ لہٰذا مدارِ انسانیت وہ علم ہے کہ جس کے اقرار اور انکار اور فعل اور ترک پر مختار ہو اور ایسی چیز کہ جس پر مختار ہو وہ امرِ الٰہی ہے نہ فعلِ الٰہی۔ اور حس و عقل فعلِ الٰہی ہیں۔ اور امرِ الٰہی اللہ کا وہ حکم ہے جو ایسے واسطہ آئے کہ جس کے قبول کرنے اور انکار کرنے میں انسان مختار ہو۔ اور وہ

واسطہ بشر ہے۔ کیونکہ اگر براہ راست امرِ الٰہی آئے گا۔ تو جس طرح حس اور عقل پر مجبور ہے۔ اسی طرح امر کے ماننے پر مجبور ہو جائے گا۔ اور اگر غیر انسان کے واسطہ سے آئے گا، جیسا کہ ارض و سماء شمس و قمر ملک و جن۔ نبات حیوان۔ تو ان میں سے کوئی بھی یہ کہہ دے کہ حکم الٰہی یہ ہے تو انسان کی مجال نہیں جو انکار کر دے۔

اور وجہ اس کی یہ ہے کہ تمام اشیاء فعلِ الٰہی ہیں۔ اور فعلِ الٰہی پر انسان مجبور ہے۔ لہٰذا قولِ رسول جو درحقیقت امرِ الٰہی ہے۔ یہی ایسی چیز ہے کہ انسان اس پر مختار ہے اور انسان کی مختاریت کا مدار ہی صرف قولِ رسول پر ہے۔ لہٰذا جن لوگوں نے نبوّت کا انکار کیا، انہوں نے اپنے مختار ہونے کی نعمت یعنی انسانیت کو تباہ کر دیا۔ اور اللہ کی نعمت یعنی انسانیت کی قدر نہیں کی وما قدروا اللہ حق قدرہ اذ قالوا ما انزل اللہ علی بشر من شیء (اللہ کی جیسی قدر کرنی چاہیئے تھی ویسی قدر نہیں کی۔ جب ہی تو یہ کہنے لگے کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ نہیں اتارا) یعنی منکرِ نبوّت ناقدرِ انسانیت ہے اور ناقدرِ انسانیت ناقدرِ خدا ہے۔ اور یہ غایت تحقیق ہے، جس سے متقدم اور متاخر سب ہی بے خبر رہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ انسان کا بچہ ماں کا دودھ بھی منہ میں لیتا ہے جو اس کی غذا ہے اور حسن ہے، اور شیشہ کا ٹکڑا کنکر وغیرہ بھی منہ میں رکھ لیتا ہے، جو قبیح ہے۔ اور جانور کا بچہ ہرگز غیر غذا کو منہ میں نہیں رکھتا۔ اس سے صاف واضح ہو گیا کہ انسان فطرتاً مختار ہے۔ اس کو حسن و قبح، فعل اور ترکِ فعل پر اختیار ہے۔ اور حسن کی تمیز فطری نہیں ہے بلکہ وہ تمیز فطرت سے باہر آئی ہے۔ اسی کا نام نبوّت ہے۔ اور اگر تمیز فطرت میں داخل ہوتی جیسے کہ حس و عقل تو انسان حسن پر مجبور ہو جاتا۔ خیر پر مجبور ہو جاتا غیر کی

اس حسی شہادت سے واضح ہوگیا کہ انسانیت نبوت کی محتاج ہے۔ یعنی اختیار نبوت کا محتاج ہے۔ اور عقل وحس چونکہ ممد اختیار ہوتے ہیں اور اختیار کے آلۂ کار ہیں اس لئے عقل وحس بدرجۂ اولیٰ نبوت کے محتاج ہیں لہٰذا انعمت یافتہ وہ لوگ ہیں جو نبی کے رستہ پر ہیں۔ اور مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وہ لوگ ہیں جو حس کے رستہ پر ہیں۔ اور ضَآلِّيْنَ وہ لوگ ہیں جو عقل کے رستہ پر ہیں۔

الا العالمین اپنے فضل وکرم سے ہم کو بھی نعمت یافتہ حضرات کے رستہ پر چلنے کی توفیق عنایت کر۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔ سورۂ فاتحہ کے الفاظ کی تفسیر ختم ہوئی، اب مجموعہ پر گفتگو شروع کرتے ہیں:

مجموعہ پر گفتگو

مفسّرین نے فرمایا ہے کہ شیطان کے داخل ہونے کی تین جگہیں ہیں' جن سے شیطان انسان میں داخل ہوتا ہے۔ شہوت اور غضب اور ہوٰی اللہ تعالیٰ نے فرمایا وینھیٰ عن الفحشآء والمنکر والبغی۔ فحشار سے آثارِ شہوت مراد ہیں۔ مُنکَر سے آثارِ غضب مراد ہیں۔ بَغیٰ سے آثارِ ہوٰی مراد ہیں۔

شہوت سے انسان اپنی جان پر ظلم کرتا ہے۔ غضب سے دوسرے پر ظلم کرتا ہے۔ ہوٰی سے اللہ پر ظلم کرتا ہے۔ اور ایک حدیث میں آیا ہے کہ ظلم تین ہیں۔ ایک ظلم تو ایسا ہے جو قابلِ معافی ہے۔ وہ اپنی جان پر ظلم ہے۔ یعنی نتیجہ شہوت۔ ایک ظلم ایسا ہے جو چھوڑا نہیں جائے گا۔ یعنی بدلہ مل کر ہی رہے گا، وہ ظلمِ عباد ہے، جو نتیجہ غضب کا ہے۔ اور ایک ایسا ظلم ہے جو نا قابل معافی ہے، وہ ظلم اللہ تعالیٰ پر ہے، جو نتیجہ ہوٰی کا ہے۔ یعنی شرک۔ اور شہوت کے دو نتیجے ہیں بخل اور حرص۔ اسی طرح غضب کے دو نتیجے ہیں کبر اور عجب۔ اور اسی طرح ہوا کے دو نتیجے ہیں۔ کفر اور بدعت۔ لہٰذا بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ میں تین اسم ہیں گویا یہ تین اسماء ان تین اخلاق ذمیمہ کے مقابل ہیں۔ یعنی شہوت اور غضب اور ہوٰی کے۔ جس نے بِسۡمِ اللّٰہِ پڑھی وہ ان تینوں ذمیم خلقوں سے اجمالاً بچ گیا۔ اسی طرح اس کی تفصیل یہ ہے کہ جس نے اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ کہا۔ اس نے اللہ کا شکر کیا اور حاصل پر اکتفا کیا، وہ شہوت سے نجات پا گیا، جس نے

رَبِّ الْعَالَمِیْنَ پڑھا وہ غیر موجود کی حرص اور موجود کے بخل سے بچ گیا۔ جس نے اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ پڑھا وہ غضب سے نجات پاگیا۔ جس نے اِیَّاکَ نَعْبُدُ پڑھا وہ غضب کے نتیجہ کبر سے نجات پاگیا۔ اور جس نے وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ پڑھا، وہ غضب کے دوسرے نتیجہ یعنی عجب سے نجات پاگیا۔ جس نے اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ پڑھا وہ ہوٰی سے نجات پاگیا۔ جس نے صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ پڑھا وہ ہوٰی کے نتیجہ یعنی کفر سے نجات پاگیا۔ جس نے غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ پڑھا وہ ہوٰی کے دوسرے نتیجہ یعنی بدعت سے نجات پاگیا۔

جاننا چاہیئے کہ جن جن چیزوں کی انسان کو مبدء وسط اور معاد کی معرفت میں ضرورت پڑتی ہے وہ سب سورۂ فاتحہ میں جمع ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی مخلوقیت سے اپنے خالق ہونے پر استدلال کیا ہے۔ اور فرمایا رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ (میرا رب جلاتا اور مارتا ہے) اور فرمایا اَلَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَھُوَ یَھْدِیْنِ (جس نے مجھے پیدا کیا وہی مجھے ہدایت کرے گا) اور فرمایا ربنا الذی اعطی کل شیء خلقہ (ہمارے رب نے ہر شے کو اس کا وجود عنایت کیا) اور فرمایا ربکم و رب اٰبائکم الاولین (تمہارا اور تمہارے پہلے باپ دادوں کا رب، ہے) اور فرمایا یاایھاالناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم (اے لوگو! جس نے تم کو پیدا کیا اس رب کی عبادت کرو) اور فرمایا اقرأ باسم ربک الذی خلق (جس رب نے پیدا کیا اس کے نام سے قرأت کا افتتاح کر) ان آیتوں سے ظاہر ہو رہا ہے کہ پیدا کرنے سے پیدا کرنے والے پر استدلال کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ

خلق سے خالق پر استدلال جبلّی ہے۔ بنی ہوئی چیز کو دیکھتے ہی بنانے والے کی طرف ذہن فوراً متوجہ ہو جاتا ہے۔ خواہ بنانے والا نظر آئے خواہ نہ آئے، خواہ سامنے بنے خواہ پیچھے بنے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ جو عمارتیں صدیوں پہلے کی ہیں، ان کو دیکھتے ہی فوراً معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کا کوئی صانع اور بنانے والا ہے۔ بالکل اسی طرح انسان خوب جانتا ہے کہ وہ پہلے نہیں تھا پھر ہوا۔ بس یہی بننے کے معنی ہیں اور بننا بنانے پر دلالت کر رہا ہے۔ لہٰذا خلقتِ انسانی اپنے خالق پر دلیلِ قاہر۔

اور جس طرح یہ خلقت دلیلِ خالق ہے اسی طرح یہ خلقت نعمتِ عظیمہ ہے۔ کیونکہ بغیر حیات کے کسی نعمتِ عظیمہ سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔ لہٰذا یہ خلقت انعام ہے اور انعام قصد اور اختیار سے ہوتا ہے۔ لہٰذا اس سے پتہ چل گیا کہ صانع انسان مختار ہے اور اختیار کے لوازم میں سے قدرت، علم، رحمت، حکمت ہیں لہٰذا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کا لفظ ان تمام معانی پر دلالت کر رہا ہے۔ اور رَبِّ الْعَالَمِیْنَ اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ اللہ واحد ہے اور تمام عالم اس کا مملوک اور ملک ہے۔ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ کمالِ رحمت اور فضل احسان کے ساتھ اللہ ہی موصوف ہے۔ مَالِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ محسن اور مشیٔ نیکوکار اور بدکار میں اس روز فرق کر دے اور مظلوم کو ظالم سے بدلہ دلائے۔ کیونکہ مظلوم کے لئے ظالم سے انتقام نہ لینا عجز ہے۔ جہل ظلم پر راضی ہونا ہے۔ اور تینوں عیبوں سے اللہ پاک ہے۔ اور یہاں ربوبیت کی معرفت مکمل ہو گئی۔

اب رہی معرفتِ عبودیت سو وہ اعمال ہیں۔ اور وہ آثار جو ان اعمال پر مرتب ہیں۔ اعمال تو وہ عبادت کا کرنا ہے اِیَّاكَ نَعْبُدُ اس کے

Marfat.com

طرف اشارہ کر رہا ہے۔ اور وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ اس

بات پر دلالت کر رہا ہے کہ اعمال بغیر اعانتِ الٰہی ہو نہیں سکتے اب رہے وہ آثار جو ان اعمال پر مرتب ہیں۔ سو وہ ہدایت کا حصول اور انکشاف اور تجلی ہیں اس کی طرف اشارہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ میں ہے اور چونکہ لازمی طور پر یہ جاننا ضروری تھا کہ صراطِ مستقیم اور صراطِ انعام یافتہ غیر انعام یافتوں کے رستہ سے علیحدہ ہو جائے اور متمیز ہو جائے اس کی طرف غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ سے اشارہ کیا۔

لہٰذا سورۂ فاتحہ جامع معرفت ربوبیت و عبودیت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے حکایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ صلوٰۃ میرے اور میرے بندے کے درمیان آدھی بٹ گئی ہے، جب بندے نے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کہا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری یاد کی، اور میرا ذکر کیا۔ جب اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ بندے نے کہا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری تعریف کی اور جب بندے نے اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کہا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری تعظیم کی، اور جب بندے نے مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ کہا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری شان و شوکت بیان کی۔ اور جب بندے نے اِیَّاکَ نَعْبُدُ کہا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری عبادت کی۔ اور جب بندے نے وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کہا تو اللہ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے مجھ پر بھروسہ کیا۔

Marfat.com

اور ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ جب بندے نے اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کہا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے۔ یعنی بندہ میری عبادت کرتا ہے اور میں بندے کی اعانت کرتا ہوں۔ اور جب بندے نے اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کہا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ میرے بندے کے لئے ہے۔ اور جو کچھ میرا بندہ مانگتا ہے۔ وہ میرے بندے کے لئے ہے۔ یعنی میں اپنے بندے کو ہدایت کروں گا۔

اس حدیث سے ظاہر ہو رہا ہے کہ شریعت کا مدار خلق کے مصالح پر ہے۔ اور خلق کی مصلحت معرفتِ ربوبیت اور معرفتِ عبودیت ہی ہے اور اور اس حدیث سے یہ بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ کا لفظ فاتحہ کے لئے استعمال کیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صلوٰۃ کے لئے فاتحہ ہونی چاہیئے۔ یعنی نماز میں فاتحہ پڑھنی چاہیئے۔ اور اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ جب بندے نے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کہا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بندے نے میرا ذکر کیا، اور فرمایا فاذکرونی اذکرکم (تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا) یعنی ملاء اعلیٰ میں بندے کا ذکر اللہ تعالیٰ کریگا۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ذکر مقامِ عالی اور شریف ہے، کیونکہ ابتدا ذکر ہی سے ہوئی ہے۔ اور اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ لفظِ اللہ، اللہ تعالیٰ کی ذات کا اسمِ علم ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بندے نے میرا ذکر کیا، اب جب بندے نے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے بندے نے میری تعریف کی۔ یہ اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ مقامِ حمد مقامِ ذکر سے اعلیٰ ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت آدمؑ کی

Marfat.com

پیدائش سے پہلے جو کلام ملائکہ سے صادر ہوا وہ حمد ہی ہے نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ط (ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح اور تقدس کرتے ہیں) اور آخری کلام بھی حمد ہی ہے وَاٰخِرُ دَعْوٰهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ (ان کی آخری بات بھی یہی ہوگی کہ تعریف کے قابل اللہ رب العالمین ہی ہے) اور یہ بات کہ اوّل و آخر حمد ہی حمد ہے۔ عقل سے بھی ثابت ہے۔ اس لئے کہ فکر اللہ کی ذات میں محال ہے۔ کیونکہ فکر تصور کے بعد ہوتا ہے۔ اور اللہ کی ذات کا تصوّر محال ہے۔ اس لئے اللہ کی ذات میں تو فکر ہو نہیں سکتا۔ صرف اللہ کے افعال در مخلوقات میں فکر ہو سکتا ہے، اور جوں جوں مخلوقات میں انسان فکر کرتا ہے اسی قدر اس کی رحمت اور اس کا فضل اور احسان کھُلتا چلا جاتا ہے۔ اور جس قدر اس کی رحمت ظاہر ہوتی جاتی ہے اسی قدر اس کی حمد و ثنا میں مشغول ہوتا جاتا ہے اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ کہتا ہے تو اس وقت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری تعریف کی اور حق سبحانہٗ تعالیٰ نے شہادت دیدی کہ میرا بندہ اپنی عقل و فکر سے میری رحمت، کرم و احسان پر مطلع ہو گیا۔ اور جب بندے نے اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کہا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے بندے نے میری تعظیم کی۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ جب بندے نے کہا تو اس وقت اللہ تبارک و تعالیٰ نے نہیں فرمایا کہ:۔

میرے بندے نے میری تعظیم کی کیونکہ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ جس طرح یہاں ہے اسی طرح بِسْمِ اللّٰهِ میں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ بندے کو اللہ کے کامل بالذات اور مکمل

Marfat.com

للغیر ہونے کا اقرار ہے۔ اس کے بعد رَبِّ الْعَالَمِیْنَ کہا یہ اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ اللہ کامل بالذات مکمل للغیر وحدہٗ لاشریک ہے اس کے بعد اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کہا۔ یہ اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ کامل بالذات مکمل للغیر وحدہٗ لاشریک نظیر، مثل، ضد سے منزہ نہایت ہی اپنے بندوں پر رحم و کرم کرنے والا ہے۔ اور اس وقت ان تمام صفات کے جاننے کے بعد یہ ایسا مقام ہے کہ کمال و جلال کی طرف عقل و فہم سے اس سے زیادہ نہیں پہنچ سکتی۔ اس سبب سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے بندے نے میری تعظیم کی۔ اور جب بندے نے مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کہا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے بندے نے میری شان و شوکت بیان کی، اور میری تنزیہہ و تقدیس کی۔ اور اس کی تقریر یہ ہے کہ اس جہاں میں ظالم مظلوم پر مسلط ہے، قوی ضعیف پر مسلط ہے۔ عالم، زاہد، کامل نہایت تنگی میں ہے۔ کافر فاسق نہایت آسائش و راحت میں ہے۔ یہ حال حکمتِ الٰہی کے اور رحمتِ الٰہی کے منافی معلوم ہوتا ہے تو لابد دار جزا حشر معاد ہونی چاہیئے تاکہ مظلوم کو ظالم سے بدلہ دلوایا جائے، اور نیکو کاروں کو ثواب اور کفار و فساق کو عتاب دیا جائے۔ اگر ایسا نہ ہو تو یہ ظالم کو ڈھیل دینا اور چھوڑ دینا گویا بندوں پر ظلم ہونا ہے۔ لیکن جبکہ روز جزا یوم الدین مقرر ہوا تو اللہ تعالیٰ سے ظلم کا وہم جاتا رہا اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے بندے نے مجھ سے ظلم اور جہل سے تنزیہہ کی، اور جب بندے نے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کہا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ جبر و قدر کے بھید کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ قدر کی طرف اشارہ ہے۔ اور وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ جبر کی طرف

Marfat.com

اشارہ ہے۔ اس مقام پر اہلِ سُنّت کا کلام مضطرب ہے یعنی موقع یہ ہے کہ بندہ عمل میں مستقل ہے یا نہیں۔ کیونکہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ مستقل ہونے پر دلالت کر رہا ہے، اور اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ غیر مستقل ہونے پر دلالت کر رہا ہے لیکن اہلِ سُنّت نے کہا کہ بندہ غیر مستقل ہے اور ان کی دلیل مشہور یہی ہے جو اہلِ جبر نے استعمال کی ہے، اور وہ یہ ہے کہ بندہ کی قدرت میں فعل و ترک کی صلاحیت اگر ہے تو بغیر مرجح کے فعل سرزد نہیں ہو سکتا اور وہ مرجح اللہ تعالیٰ ہے اور اسی ترجیح کا نام اعانت ہے، اور اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کے یہی معنی ہیں اور رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا کے بھی یہی معنی ہیں۔ یعنی ہمارے دلوں میں ایسا داعیہ نہ پیدا کر جو ہمیں اعمال کی طرف لے جائے وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً یعنی ہمارے دلوں میں ایسا سبب پیدا کر دے جو اعمال صالحہ کی طرف لیجائے۔ اہلِ سُنّت نے یہ کہا ہے کہ جو اس مضمون کو نہیں سمجھا وہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کے معنی نہیں سمجھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے کہ یہ میرے اور میرے بندہ کے درمیان ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ جو انہوں نے اوپر بیان کیا یعنی داعی اور سببِ فعل منجانب اللہ ہے اور قدرت اور اس داعی کا اس طرح جمع ہونا کہ اس سے فعل صادر ہو یہ بندہ کی طرف سے ہے یہ ان کے کلام کا خلاصہ ہے **میں کہتا ہوں** کہ یہ کلام نہایت بے معنی اور لغو ہے اس لئے کہ بندہ کی قدرت پر اگر اثر مرتب نہیں ہے تو قدرت لغو ہے اور محض جبر ہے، اور نیز تمہارا یہ کہنا کہ بندہ کی طرف سے ہے قدرت مع داعیہ کے، تو ہم کہتے ہیں کہ قدرت اور داعی کا اجتماع اگر بندہ کی طرف سے ہے تو بندہ اس مجموعۂ قدرت و داعی میں مستقل ہے یا نہیں۔ اگر مستقل ہے تو تطعی بندہ قادر ہو گیا، اور اگر غیر مستقل ہے تو تطعی پھر اس مجموعہ کے لئے داعی کی ضرورت ہوگی اور لازمی طور پر تسلسل لازم آئے گا۔ **میں کہتا ہوں** کہ فعل اس کا اثر ہے بندہ کا

Marfat.com

فعل اگر بندہ کی قدرت کا اثر ہے تو قطعی بندہ قادر ہوگیا، اور اگر ترجیح خداوندی اور داعیۂ خداوندی کا اثر ہے تو قطعی بندہ مجبور ہوگیا۔ اور اگر قدرت اور اس داعی اور ترجیح کے مجموعہ کا اثر ہے تو اثر نہ قدرت کا رہا نہ ترجیحی اور داعی کا رہا، یعنی نہ خدا کا رہا نہ بندہ کا رہا۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ یہ مجموعہ خود بخود ہے تو یہ دہریت ہے اور اگر یہ مجموعہ کسی کا اثر ہے تو جس کا اثر ہے وہی اس اثر کا خالق ہے۔ اگر یہ مجموعہ خدا کا اثر ہے تو بندہ محض مجبور ہے اور اگر بندہ کا اثر ہے تو بندہ قطعی مستقل اور قادر ہے۔ اور حق اس مسئلہ میں عنقریب آپ کے سامنے میں بیان کروں گا۔

اب پھر حدیث کی طرف ہم متوجہ ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب بندہ نے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کہا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ میرے بندہ کے لئے ہیں اور میرے بندہ کے لئے وہ ہے جو وہ مانگے۔ یعنی سیدھے رستے کی ہدایت میں کروں گا اور اس کی تقریر یہ ہے کہ تمام عالم حق و باطل میں اختلاف کر رہا ہے۔ ایک جماعت کہتی ہے یہ حق ہے اور دوسری کہتی ہے کہ یہ حق نہیں ہے اور جد و جہد کوشش غور و فکر عقل و حس دونوں میں مشترک ہے، چونکہ انسانی قابلیتیں فریقین میں مشترک ہیں اس سے پتہ چل گیا کہ انسان کی، قابلیت کو حق تک لے جانے میں کچھ بھی دخل نہیں ہے لہٰذا بجز ہدایتِ الٰہی کے سیدھا رستہ نہیں مل سکتا۔ یہی وجہ ہے جو تمام ملائکہ اور انبیاء نے ہدایت کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہے، ملائکہ نے کہا لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ہم کو نہیں حاصل بجز اس کے جو تو نے سکھایا۔ ابراہیم خلیل اللہ نے کہا لئن لم یھدنی ربی لاکونن من القوم الضالین" اگر میرا رب نہ ہدایت کرتا تو میں گمراہوں میں سے ہو جاتا" موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا رب اشرح لی صدری" اے رب میرا سینہ کھول دے" محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی ہوئی اور فرمایا ألم نشرح

Marfat.com

قلوبنا" اے ہمارے پروردگار ہدایت کے بعد ہمارے دلوں میں کجی پیدا نہ کر"
غرضیکہ ہدایت منجانب اللہ ہے۔ جاننا چاہیئے کہ سورۃ فاتحہ میں مفسرین نے کہا ہے
کہ سات آیتیں ہیں اور نماز میں سات عمل ہیں۔ قیام، رکوع، قومہ، سجدۂ اولیٰ،
جلسہ، سجدۂ ثانیہ، قعدہ۔ تو آیات کی تعداد اعمال کی تعداد کے برابر ہو گئیں۔ اور
یہ اعمال کا مجموعہ مثل شخص کے ہے اور فاتحہ مثل روح کے ہے اور کمال جب ہی
ہے کہ روح جسد سے متصل ہو۔ لہٰذا بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ قیام
کے مقابلہ میں ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ رکوع کے مقابلہ میں اَلرَّحْمٰنِ
الرَّحِیْمِ قومہ کے مقابلہ میں مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ سجدۂ اولیٰ کے مقابل
میں اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ دونوں سجدوں کے درمیانی قعدہ
کے مقابل میں اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ سجدۂ ثانیہ کے مقابل میں
ہے۔ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ قعدہ کے مقابل میں ہے اب یہاں
چند نکتے ہیں، پہلا نکتہ :۔ اہل تحقیق نے کہا ہے کہ سورۃ فاتحہ میں دس چیزیں
ہیں، پانچ ربوبیت کی صفتیں، پانچ عبودیت کی صفتیں۔ اللہ۔ رب۔ رحمٰن
رحیم۔ مالک۔ یہ تو ربوبیت کی صفتیں ہیں۔ عبودیت، استعانت، طلب ہدایت
طلب استقامت، طلب نعمت۔ یہ عبودیت کے اوصاف ہیں۔ یہ پانچوں نام
ان پانچوں صفتوں پر منطبق ہیں۔ کیونکہ بندہ نے کہا اِیَّاکَ نَعْبُدُ اس لئے کہ
تو اللہ ہے۔ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ اس لئے کہ تو رب ہے۔ اِھْدِنَا کیونکہ تو رحمٰن
ہے الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کیونکہ تو رحیم ہے۔ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ
اس لئے کہ انجام کار تو ہی مالک ہے دوسرا نکتہ :۔ اور ان محققین نے یہ
بھی کہا ہے کہ انسان پانچ چیزوں سے مرکب ہے یعنی، بدن، اور نفس شیطانی
اور نفس شہوانی، اور نفس غضبی اور جوہر عقلی سے تو اللہ کی تجلی جوہر عقلی

Marfat.com

پر ہے اور رب کی تجلّی نفسِ شیطانی پر اور نفسِ غضبی پر۔ رحمٰن کی تجلی اور اور رحیم کی تجلّی نفسِ شہوانی پر اور مالک کی تجلّی بدن پر ہوتی ہے۔ اور جب حق سبحانہٗ اپنے پانچوں ناموں سے ان پانچوں مراتب پر جلوہ گر ہوتا ہے تو آگ کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور جنتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں اور بندہ کا بدن کہتا ہے اِیَّاکَ نَعْبُدُ اور نفسِ شہوانی کہتا ہے اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ اور نفسِ غضبی کہتا ہے اِھْدِنَا اور نفسِ شیطانی کہتا ہے الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ اور جوہر قدسی عقلی کہتا ہے صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ **تیسرا نکتہ**:۔ اور ان محققین نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، یعنی شہادت[۱] اور نماز[۲] اور روزہ[۳] اور زکوٰۃ[۴] اور حج پر[۵]۔ تو اللہ کے اسم کے نور کی تجلی سے شہادت لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی حاصل ہے، اور رب کے اسم کے نور کی تجلّی سے اقامتِ صلوٰۃ حاصل ہے اور رحمٰن کے اسم کے نور کی تجلّی سے زکوٰۃ حاصل ہے۔ اور رحیم کے اسم کے نور کی تجلّی سے روزہ حاصل ہے۔ اور مالک کے اسم کے نور کی تجلّی سے حج حاصل ہے۔ **چوتھا نکتہ**:۔ قبلہ کی پانچ قسمیں ہیں۔ بیت المقدس[۱]، کعبہ[۲]، بیت المعمور[۳]، عرش[۴]، حضرت جلال الٰہی[۵]۔ اور یہ پانچوں نام قبلہ کی پانچوں قسموں پر منقسم ہیں۔ **پانچواں نکتہ**:۔ حواس پانچ ہیں اور ان پانچوں حواس کی مضرتوں پر ان پانچوں ناموں کے نور سے مدد لینی چاہیئے۔ **چھٹا نکتہ**:۔ اللہ کے اسم کے نور کا جب تو مشاہدہ کریگا تو اللہ ہی کو طلب کرے گا۔ اور جب رب کے اسم کے نور کا مشاہدہ کریگا تو دنیا کے فوائد کا مطالبہ کرے گا۔ اور جب رحمٰن کے نور کا مشاہدہ کریگا تو جنت کا مطالبہ کریگا۔ اور جب رحیم کے نور کا مشاہدہ کریگا تو دنیاوی آفات سے بچنے کا مطالبہ کرے گا، اور جب مالک کے نور کا مشاہدہ کرے گا تو آخرت

Marfat.com

کے عذاب سے بچنے کا مطالبہ کرے گا۔

اٰمِیْن

آمین یا اسم فعل ہے اللھم استجب کے معنی میں، یعنی اے اللہ ہماری دعا قبول فرما۔ یا اسم الٰہی ہے، یعنی شروع اور ابتدا بھی اللہ ہی کے نام سے ہے اور آخر بھی اللہ ہی کا نام ہے، جیسا کہ فرمایا ھُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ۔

سورۃ فاتحہ کی مختصر تفسیر ختم ہوئی۔ اب انشاء اللہ سورۃ بقر کی شروع ہوگی۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

حضرت علامہ حافظ محمد ایوبؒ دھلوی کی تصانیف کی فہرست جو شائع ہو چکی ہیں۔

۱۔ فتنۂ انکارِ حدیث۔

۲۔ ختم نبوت۔

۳۔ مقصودِ کائنات۔

۴۔ تفسیر ایوبی۔ جلد نمبر ۲

۵۔ مقالاتِ ایوبی ۱

۶۔ مقالاتِ ایوبی ۲

۷۔ جبر و قدر

۸۔ تفسیر سورہ والتین و والعصر

اس کے علاوہ لاتعداد مضامین کی اشاعت باقی ہے۔

حضرت علامہ محمد ایوب دھلوی قدس اللہ سرہ رحلت پا چکے ہیں۔ امت کی جانب سے آپ ان کے لئے ایصال ثواب فرمائیں گے۔ شکریہ۔

Marfat.com

مناقب الحسن رسولنما

یعنی

فوائح عرفان

۴۵۰ صفحات ۲۳×۳۶/۱۶ پر ولایتی کاغذ آفسٹ چھپائی نہایت اہتمام کیساتھ طبع ہوئی جس میں ۱۲ سو سالہ پرانی ۲۵ کتابوں کو اخذ کرکے حضرت حسن رسول نما کے خلیفہ میر محمد ہاشمؒ نے چار سو سال پہلے فارسی میں لکھی تھی۔ یہ کتاب عشق رسولؐ اور تصوف کا حسین مرقع ہے جس کی قیمت ۲۰/- روپے علاوہ ڈاک خرچ۔ رقم بذریعہ منی آڈر سید شوکت علی۔ پوسٹ بکس نمبر ۳۵۸ کراچی ۱ کو ارسال کرکے یہ نادر تحفہ حاصل کرسکتے ہیں۔

(ادارہ)

Marfat.com

ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ

تفسیر اُویسی

جلد اوّل

امام المتکلمین والمحققین

حضرت العلامہ الحافظ محمد ایوب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ رازی

۱۵۱۔ شہاب مینشن محمد علی روڈ کراچی

Marfat.com